محمد عبدالرشید نعمانی

منصبِ نبوت کا انکار

آج کل انکارِ حدیث کا بے معنی شور ہے ، احکامِ دین کی بجا آوری سے بچنے کے لیے نفسِ دین کی ایسی تعبیر کی جا رہی ہے جو اپنی اپنی خواہشات کے ساتھ پورے طور پر ہم آہنگ ہو - مقصد اصل میں یہ ہے کہ دین کا ساتھ خود نہ دے سکیں تو دین ہی کو بدل دیا جائے -

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

دین کی قید و بند سے آزاد ہونے کی اس سے بڑھ کر کیا کامیاب تدبیر ہو سکتی کہ خود ترجمان وحی علیہ الصلوۃ و السلام کی تعلیم ہی کو سرے سے دین سے خارج کر دیا جائے اور آپ کے اقوال ، افعال اور احوال کو دین کی شرح ماننے سے انکار کر دیا جائے تا کہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق دین کی من مانی شرح کی جا سکے اور اسی من مانی کو عین دین قرار دیا جا سکے -

اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زریں تعلیم سند نہیں ، آپ کے حکمت بھرے اقوال حجت نہیں ، آپ کے بلند اعمال نمونہ نہیں ، آپ کے پاکیزہ احوال میں کشش نہیں تو سوائے اپنی عقلِ نارسا کے قرآن فہمی کا اور کون سا ذریعہ رہ جاتا ہے جب دینِ متین کی نبوی شرح و تعبیر آپ کے لیے حجت نہیں تو آپ آزاد ہیں دین کے نام سے جو چاہیں لکھیں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں ، اور قرآن کریم کے معجزانہ الفاظ کو معانی کا جو جامہ چاہیں پہنائیں آپ کو اختیار ہے - پہلے بھی فرق باطلہ

نے قرآن مجید کی من مانی تاویلیں کی تھیں اب بھی ممکن ہے پھر اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ خود حاملِ وحی علیہ الصلوۃ والسلام کو تو دین کی شرح و تعبیر کے حق سے محروم کیا جائے اور اپنے آپ کو اس کا بجا حق دار سمجھا جائے -

حضور کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم کی حیاتِ طیّبہ نمونہ عمل نہیں ، صحابہ کی زندگی شرحِ دین اور سنتِ نبوی کا مظہر نہیں ، ائمہ اسلام کے تمام اجتہادات کا مجموعہ بےمعنی غرق مےناب اولٰی ہے - یہ صرف اس لیے کہ اسلامی تاریخ میں کچھ ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنھوں نے (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ جھوٹی حدیثیں بنائی تھیں لہذا پورا سرمایہ ہی ناقابلِ اعتماد ہے یہ استدلال کس قدر وزنی اور عقلی ہے ؟

کسی خاص حدیث کے متعلق کوئی یہ دعویٰ کرے کہ فنِ اصولِ حدیث کے اعتبار سے اور ائمۂ احادیث کے فیصلے کے مطابق وہ موضوع بحث ہے تو اس پر گفتگو کی جا سکتی ہے مگر تمام مجموعۂ احادیث کو ساقط الاعتبار قرار دینا نہ صرف علمی نقطۂ نظر سے نہایت ہی بے وزن ولایعنی ہے بلکہ ایک گمراہ کن جرأت ہے -

حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی تشریعی حیثیت کا انکار منصبِ نبوت کا انکار ہے ، کیونکہ جب نبی کے اقوال ، اعمال اور احوال کی حیثیت شرعی نہیں تو پھر نبی کا وجود اور عدم وجود برابر ہے اور اس صورت میں ، اس میں اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے -

یہ بھی سوچنا چاہیے کہ قرآن مجید جو بار بار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کی دعوت دے رہا ہے وہ کسی خاص قول یا فعل کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق ہے اور نہ صرف آپ کی حیات کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ قیام قیامت تک

کے لیے عام ہے - حدیث سے انکار کی صورت میں یہ دعوت بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور نبی کی ساری حیثیت ختم ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ منہ) کیونکہ نبی مبعوث ہوتے ہیں دینِ الٰہی کی تعلیم دینے اور اس پر عمل کر کے دکھانے اور بتلانے کے لیے اور جب ان کے اقوال و اعمال قابلِ قبول نہیں تو پھر اتباع و اطاعت ہوگی تو کاہے میں ہوگی -

حدیث خود ساختہ اصطلاح نہیں ہے :

لفظِ حدیث عربی زبان میں وہی مفہوم رکھتا ہے جو ہم اُردو میں گفتگو ، کلام ، یا بات سے مراد لیتے ہیں چونکہ نبی گفتگو اور کلام کے ذریعے پیامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اپنی تقریر اور بیان سے وحی الٰہی کی شرح کرتے ہیں ان کے سامنے جو باتیں ہوتی ہیں اگر ان کا تعلق دین سے ہوتا ہے اور نبی انہیں دیکھ کر یا سن کر خاموش رہتے ہیں تو اسے بھی دین کا جزء سمجھا جاتا ہے اور ذاتِ نبوی سے اس کا تعلق ہونے کی بنا پر اسے حدیث کہا جاتا ہے کہ وہ امور جو نبی کے سامنے ہوئے اگر منافی منشاء دین ہوتے تو یقیناً نبی ان کی اصلاح کرتے یا ان کی تردید فرماتے لہذا ان سب کے مجموعے کا نام احادیث قرار پایا -

پیغمبر کے اقوال ، اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا مسلمانوں کی خود ساختہ اصطلاح نہیں ہے - چونکہ دین انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق واضح ہدایت دیتا ہے - عالمِ آخرت کو جس کا علم انسان کو صرف انبیاء کرام کے ذریعے حاصل ہوتا ہے پیش کرتا ہے اور اس کی تمام تفصیلات بتاتا ہے - دنیاوی زندگی کے تمام نشیب و فراز اور اس کے ہر موڑ پر اس کی رہنمائی کرتا ہے اس لیے دین انسان کے لیے ایک بڑی نعمت ہے - خود قرآنِ کریم نے دین کو نعمت فرمایا ہے اور اس نعمت کی نشر و اشاعت کو جو انسان اپنی گفتگو کلام اور بات چیت سے انجام دیتا ہے تحدیث سے تعبیر کیا ہے - جو عربی زبان میں بیان

کرنے اور گفتکو کرنے کے لیے مستعمل ہے ۔ مندرجہ ذیل آیات مین قرآن حکیم نے دین کو نعمت کہا ہے اور ایک دوسری جگہ تحدیث نعمت کا اپنے نبی کو حکم دیا ہے :

و اذکروا نعمة اللہ علیکم و ما انزل علیکم من الکتٰب و الحکمة یعظکم به

اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور جو تم پر کتاب اور حکمت کو نازل فرمایا کہ تم کو اس کے ذریعے نصیحت فرمائے ۔

تکمیلِ دین کے سلسلے مین ارشاد ہے :

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ۔

آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ۔

سورہ ''الضحیٰ'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی نعمت کے بیان کرنے کا ان الفاظ میں حکم ہوتا ہے ۔

و اما بنعمة ربک فحدث

اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے ۔

اب بتائیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو دین کی تعلیم عطا فرمائی ہے اس کے لیے حدیث کا لفظ اختیار کرنے سے کیوں گریز کیا جاتا ہے اور کیوں اس کو دین سے جدا سمجھا جاتا ہے یہی نہیں انبیاء کے اقوال ، اعمال اور احوال کے لیے خود قرآن مجید نے بھی متعدد مقامات پر ''حدیث'' ہی کا لفظ استعمال فرمایا ہے ۔ چنانچہ سورہ ''الذاریات'' میں حضرت ابراہیم صلوات اللہ و سلامہ علیہ کا تذکرہ اس طرح شروع

ہوتا ہے :

هل اتٰـک حدیث ضیف ابراهیم المکرمین (الذاریات ع ۲)

اور حضرت موسٰی علیہ الصلوۃ و السلام کے حالات میں ایک جگہ نہیں دو جگہ فرمایا گیا ہے :

هل اتٰـک حدیث موسٰی (طہ ، النازعات)

علامہ سید شریف جرجانی نے تو ترجمہ بھی یہی کیا ہے :

''آیا آمد بتو حدیثِ موسٰی''

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے لیے بھی قرآن مجید میں ''حدیث'' کا لفظ موجود ہے ۔

و اذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثا (التحریم ع ۱)

اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بی‌بی سے ایک بات ۔

ایسی صورت میں معلوم نہیں یہ قرآن قرآن پکارنے والے حدیث کے نام سے کیوں چراغ پا ہوئے جاتے ہیں ۔ یہ بات وہی ہے کہ جب منصب نبوت کا صحیح علم ہی نہیں تو آخر نہ جھٹلائیں تو کیا کریں ۔

بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه

کچھ نہیں پر جس بات کے سمجھنے پر قابو نہ پا سکے اسے جھٹلانے لگے ۔

اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے :

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بو لہبی است

غور کا مقام ہے ، طب ، سائنس ، حکمت ، فلسفہ ، نحو ، ادب ، تاریخ ، غرض کہ کوئی فن ہو جب آپ اس فن کی کوئی کتاب پڑھنے لگتے ہیں تو

آپ کا اولیں مقصد اس کے مطالعے سے یہ ہوتا ہے کہ اس کے معنی آپ سمجھتے جائیں ، اس کے مطالب آپ کے ذہن میں اترتے جائیں ، اس کے دقیق نکات اور باریک مضامین پر آپ کر دسترس حاصل ہو جائے ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جس درجہ کی بلند پایہ تصنیف ہوگی اور جتنا عالی مرتبہ اس کا مصنف ہوگا اسی درجہ وہ کتاب آپ کی توجہ کا مرکز اور آپ کے فکر کی جولانگاہ ہوگی اور جس قدر تصنیف اور مصنف کی عظمت آپ کے دل و دماغ میں گھر کیے ہوگی اسی قدر اس میں آپ کے لیے دعوتِ فکر و نظر کا سامان ہوگا ، اگر وہ بے شمار فوائد کی حامل ہوگی تو آپ کی سعی وکاوش کا میدان اور بھی وسیع سے وسیع تر ہو جائے گا ۔ آپ کی خواہش ہوگی کہ اس کے ہر مضمون تک آپ رسائی پا جائیں اس کا ایک ایک نکتہ آپ حل کر ڈالیں اور اس کے لفظ لفظ میں ڈوب کر آپ حقیقت کا سراغ لگائیں ۔

اب آئیے ذرا دورِ صحابہ پر نظر ڈال لیجیے ۔ صحابہ کا اس پر ایمان ہے کہ قرآن ، اللہ کی کتاب ہے اور اس کا کلام ہے جس کے وہ اولیں مخاطب ہیں ، اس کی اتباع پر وہ مامور ہیں ان کے لیے وہی وسیلۂ نجات اور ذریعۂ ہدایت ہے ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان میں تشریف فرمائیں ، آپ خدا کے پیغمبر ہیں ، قرآن کریم آپ ہی کے قلب اقدس پر نازل ہوا ہے ۔ آپ کا مقدس سینہ اس کے رموز و اسرار کا گنجینہ ہے اور آپ کی ذات قدسی صفات اس کے علوم و حکم کا مخزن ہے ، آپ تاویل قرآن کے واحد عالم ہیں پھر آپ معلم ہی بنا کر معبوث بھی کیے گئے ہیں اور دین کی تبلیغ آپ کا اصل فریضہ ہے ، دین کی اشاعت و تبلیغ کے لیے آپ کا دل بیتاب ہے ، نہ صرف مسلمانوں کو دین پر عمل کرانے کی آپ کے دل میں تڑپ ہے بلکہ غیر مسلموں کو بھی دعوتِ حق دی جا رہی ہے اور ہر وقت پیامِ الٰہی کی اشاعت کی فکر دامنگیر ہے ۔

پھر کیا دنیا کے پردہ پر اس سے بھی زیادہ کوئی تعجب انگیز بات

ہوگی کہ صحابہ جیسے متلاشیان حق[1] کے مجمع میں حضور علیہ الصلوۃ السلام جیسے بے مثال داعیٔ حق نے قرآن مجید جیسی گنجینۂ علم و عرفان کتاب کے جو معانی اور الفاظ کیا بلکہ ہر حیثیت سے قیام قیامت تک کے لیے معجزہ ہے ، الفاظ اور صرف الفاظ ہی دہرائے اور بس ۔ قرآن مجید کی ایک گونہ تلاوت کی اور تبلیغ دین کا اہم فریضہ ادا ہو گیا ۔ سننے والوں نے اسی طرح سن لیا اور اپنے دلوں میں جگہ دے دی ، کسی چیز کی تفصیل ، کسی عمل کی تشریح ، کسی شے کا مطلب ، نہ سنانے والے ہی نے سنایا اور نہ سننے والوں نے ہی دریافت کیا ، اور نہ کبھی اس کی ضرورت ہی پیش آئی ۔ 'ان ھذا لشی عجاب' ۔

پھر اس پر بھی غور کیجیے کہ ایک دن نہیں دو دن نہیں ماہ دو ماہ نہیں سال دو سال نہیں ، پورے تیئیس سال اسی طرح گزر جاتے ہیں کہ دنیا کا یہ سب سے بڑا الٰہی پیغامبر دین کے بارے میں تفصیلی ہدایات دیے بغیر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور یہ تشنگانِ تعلیم ربانی اس ۲۳ سالہ مدت میں نہ ایک لفظ اس سلسلے میں اس کی زبانِ فیض ترجمان سے سنتے ہیں نہ خود کچھ اس سے پوچھتے ہیں ۔

خدارا ، اب آپ ہی بتائیں کہ پھر دنیا میں رسول کے مبعوث کرنے کا فائدہ کیا رہ جاتا ہے ۔ کیا اگر قرآن مجید لکھا لکھایا آسمان سے کہیں

۱۔ لفظ متلاشی کو بعض انشاء پرداز آج کل صحیح نہیں خیال کرتے ۔ حالانکہ فصحاء لکھنؤ نے ، جو ایجاد کے بانی اور اصلاح کے مالک تھے ، اس لفظ کو بے تکلف اپنے اشعار میں باندھا ہے ۔ خواجہ حیدر علی آتش فرماتے ہیں :

شب کو خیال رہتا ہے ایک رشک حور کا
ظلمت میں دل مرا متلاشی ہے نور کا

اور انھی کے نامور شاگرد نواب سید محمد خان رند کا شعر ہے :

متلاشی ترے افلاک کے سب تارے ہیں
جو ثوابت تھے وہ اب چرخ پہ سیارے ہیں

پہاڑ پر نازل کر دیا جاتا تو اس صورت میں یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا ۔

اگر (نعوذ باللہ) آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک چٹھی رساں اور ڈاکیہ نہیں سمجھتے بلکہ حقیقی معنی میں اللہ کا پیغامبر ، قرآن کا معلم ، دین کا داعی اور خلق کا ہادی مانتے ہیں تو لازمی طور پر آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے سامنے قرآن مجید کے صرف الفاظ ہی نہیں بیان کیے ، اس کے معنی بھی بتائے تھے ۔ تبلیغ کے فرائض میں الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معانی کی تبلیغ بھی داخل تھی ، خود قرآن مجید کی تصریح ہے :

لتبین للناس ما نزل الیھم

تا کہ آپ کھول کر بتائیں لوگوں کو وہ شریعت جو اُن کی طرف نازل کی گئی ہے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

و ما علی الرسول الا البلاغ المبین

اور پیغمبر کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر ۔

''بلاغ مبین'' کھلی ہوئی تبلیغ ، بلاغ معنی پر متضمن ہے اور درحقیقت یہی بیان کا اعلیٰ درجہ ہے ۔ ظاہر ہے صرف وحی کے الفاظ پہنچا دینے سے بعثتِ انبیاء کا مقصد جو ہدایت خلق اللہ ہے پورا نہیں ہوتا رسولوں کے بارے میں جو عادت اللہ یوں جاری ہے کہ ہر رسول جو کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے ان کا ہمزبان ہوتا ہے ، اس کی وجہ بھی قرآن مجید نے ''تبیین'' ہی بیان فرمائی ہے یعنی کھول کر احکامِ الٰہی کو واضح کرنا ، ارشاد ہے :

و ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کی قوم ہی کی زبان

میں تاکہ ان سے احکام الٰہیہ کو کھول کر بیان کرے ۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے بھی قرآن کی تبیین کی اور اس کا بلاغ مبین فرمایا یا نہیں ، اگر جواب نفی میں ہے تو یقیناً فریضۂ تبلیغ ادا نہیں ہوا اور اگر اثبات میں ہے تو پھر آپ کی دینی تبیین اور قرآن کا ابلاغ مبین احادیث کے علاوہ اور کہاں ہے ؟

حدیث کیا ہے متن قرآن کی شرح ہے ، اس کے معانی کا بیان ہے ، اس کے مضمون کی تشریح ہے ، اس کے اجمال کی تفصیل ہے اس کے الفاظ کی تعبیر ہے اس کے مفہوم کی تعیین ہے اور اس کے مطالب کی توضیح ہے ۔

تعلیماتِ اسلام کے ہر باب کو اٹھا کر دیکھیے اور اس کے متعلق احادیثِ صحیحہ کا مطالعہ کیجیے ہمارے دعوے کی حقیقت آپ کے ذہن میں اترتی چلی جائے گی ۔ حدیثیں نصوص قرآنی کی تقریر کریں گی ، ان کے معانی کو کھول کر پیش کریں گی اور ان کے بارے میں جو مختلف اختلالات پیدا ہوں گے ان کو دفع کر کے ان کی مراد کو واضح کر دیں گی ۔ احادیث ہی تو ہیں جن کی بدولت اللہ کے دین کے بارے میں آپ پر حجت قائم ہوتی ہے اور ان کا مطالعہ آپ کے دل میں یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ پیش گاہ ربانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ عطا فرمایا گیا تھا آپ نے اس کی تبلیغ کا پورا پورا حق ادا فرمایا جس کے بعد اب کسی انسان کے لیے دین حق کو معلوم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ، بابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم ، سب جانتے ہیں کہ وضو ، غسل ، نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج ، درود ، دعائیں ، اسی طرح نکاح ، طلاق ، بیع و شریٰ ، فصلِ قضایاو خصومات ، اخلاق و معاشرت اور سیاسیات ، سب کی تفصیل دینِ متین میں موجود ہے بلاشبہ ان کے متعلق کلی احکام قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں ، لیکن ان احکام کی تشریح ان کے جزئیات کی تعیین ، ان

کے اجمال کی تفصیل میں کیا ایک قدم بھی آپ حدیث کی روشنی کے بغیر چل سکتے ہیں ؟

یقیناً یقیناً صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کے صرف الفاظ ، ہاں ہاں صرف الفاظ ہی نہیں لیے تھے اس کے معانی بھی اخذ کیے تھے اور علم و عمل کا وہ تمام حصہ حاصل کیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ ایزدی سے عطا ہوا تھا ۔ حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی اکابر تابعین میں سے ہیں قرآن مجید کا علم حضرت عبداللہ بن مسعود ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اور اسی طبقہ کے دیگر علماء سے حاصل کیا ہے ، اُن کے الفاظ یہ ہیں :

> حدثنا الذین کانوا یقرؤننا القران من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم : انهم اذا تعلموا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرآیات لم یجاوزوها حتی یتعلموا ما فیها من العلم و العمل ، فتعلمنا القرآن و العلم و العمل[1]
>
> صحابہ میں سے جو ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے انہوں نے ہم سے بیان کیا ہے کہ وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی دس آیتیں سیکھ لیتے تو آگے نہیں بڑھتے تاآنکہ ان کے علم و عمل کو اچھی طرح سیکھ نہ لیتے تو ہم نے قرآن کو اس طرح سیکھا کہ علم و عمل دونوں کی بیک وقت تعلیم حاصل کی ۔

یہ تھا صحابہؓ کا طریقِ تعلیم ، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کے الفاظ بھی لیتے تھے اس کے معانی بھی سیکھتے تھے اور اس کا عمل

۱- مختصر الصواعق المرسلہ علی الجہمیہ و المعطلہ ، ابن قیم ۳۳۹ ج ۲ طبع مطبع سلفیہ مکہ مکرمہ ۱۳۴۸ھ ۔

بھی حاصل کرتے تھے ، بلکہ احادیث قرآن کے معانی اس کے عمل ہی کا گنجینہ ہیں -

ذرا اس منظر پر بھی نگاہ ڈال لیجیے ، حج کا مقدس دن ہے مکہ معظمہ کا مقدس حرم ہے ، تقریباً ایک لاکھ صحابہ کا مقدس مجمع ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مقدس سے ارشاد ہو رہا ہے -

انتم تسألون عنی فما انتم قائلون -

تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا پھر تم کیا جواب دو گے ؟

صحابہ کہتے ہیں :

نشهد انک قد بلغت و ادیت و نصحت

ہم شہادت دیں گے آپ نے دین پہنچایا ، فریضہ تبلیغ ادا کیا اور خیر خواہی فرمائی -

آپ آسماں کی طرف انگشت شہادت اٹھاتے ہوئے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے ایک بار نہیں تین بار فرماتے ہیں :

اللهم اشهد ، اللهم اشهد ، اللهم اشهد (صحیح مسلم)

خدایا گواہ رہیو ، خدایا گواہ رہیو ، خدایا گواہ رہیو -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت و بلاغ کی یہ سچی شہادت اسی شخص کے صمیم قلب سے نکل سکتی ہے جو آپ کے قول کو قرآن کا ترجمان اور آپ کے عمل کو کلام اللہ کا بیان سمجھے ، ورنہ ظاہر ہے کہ جو حدیث کو دین ہی نہیں مانتا آپ کے قول و عمل کو حجت شرعی نہیں سمجھتا جو فہم قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ اس کے معانی کا سمجھنا ہر کس و ناکس کی اپنی فہم پر چھوڑ دیتا ہے کہ جس طرح چاہے الٹا سیدھا مطلب نکال لے وہ درحقیقت آپ کے حق میں ''بلاغ مبین'' کی کس طرح شہادت دے سکتا ہے -

کتنا تعجب انگیز ہے یہ واقعہ ، نہیں بلکہ حادثہ ، کہ غیروں میں سے

نہیں خود اپنوں میں سے بعض مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ احادیث کے جتنے مجموعے ہمارے پاس ہیں ان میں ایک بھی حدیث ایسی نہیں جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ وہ رسولِ اکرم کے الفاظ ہیں ۔ (نعوذ باللہ)

کیسی ناپاک کوشش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت و بلاغ اور تعلیمِ دین کا ایک ایک حرف مشتبہ بنا دیا جائے ۔ کیا خوب ! پوری کی پوری امت نے اس آخری نبیؐ عربی روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبیینِ دین اور بلاغِ مبین کو، کہ جس کے بعد اب قیامت تک کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، اس طرح ضائع کر دیا، کہ اس کا ایک حرف بھی موجود نہیں رہا ۔ کتنی بڑی جسارت سے کام لیا گیا ہے ۔ اس دروغ بیانی میں سارے وضاعین حدیث اور کذابین ایک طرف، شاید دنیا کے پردہ پر جب سے دنیا آباد ہوئی اس سے زیادہ سفید جھوٹ کوئی اور بولا گیا ہو ! دنیا میں جتنے مشاہیر گزرے ہیں سب ہی کے اقوال کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور موجود ہے لیکن نہیں موجود تو کائنات انسانی کی اس عظیم ترین ذات قدسی صفات کے الفاظ کہ جس کے محض الفاظ ہی کو دل میں جگہ دینے اور زبان سے دہرانے کی دھن میں سینکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں نے اپنی جانیں وقف کر دی تھیں ۔ دین کو ڈھانے اور اس کی اساس کو منہدم کرنے کے لیے کیا اس سے بھی زیادہ کسی اور حربہ کی ضرورت ہے :

لمثل هذا يذوب القلب من كمد
ان كان فى القلب اسلام و ايمان

بلاشبہ ہر شخص کو اختیار ہے وہ چاہے تو دن کو رات کہے بدیہیات کا انکار کرے، لیکن دنیا کی آنکھوں میں دھول نہیں ڈالی جا سکتی ۔ حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہی رہے گی وہ کسی کے ماننے نہ ماننے سے نہیں بدل سکتی ۔

☆ ☆ ☆